# احسان اور احکامِ شریعت

تحریر: حافظ محمد اسلم

اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج، بورے والا

لفظ احسان، قرآن و حدیث میں متعدد مقامات پر مذکور اور متعدد اقسام کی تعلیمات و توجیہات کا حامل ہے۔ یہ لفظ اپنے مادے کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر بھی مذکور ہے: مثلاً:

"فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ ﴿﴾" (۱)

اللہ برکتوں والا ہے جو سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے۔

اسی طرح انسان کی صفت بن کر بھی وارد ہوا ہے۔ مثلاً:

"لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ﴿﴾" (۲)

ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔

دورِ حاضر میں یہ لفظ عموماً اخلاقیات کی اصطلاح کے طور پر مروج اور مشہور ہے۔ یعنی اس سے مراد وہ امور لئے جاتے ہیں جو انسانی ذات کی تکمیل اور روحانی ارتقاء سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر جس طرح کہ دین اسلام اپنے مزاج کے اعتبار سے جامعیت اور ہمہ گیریت کا حامل ہے کہ اس میں عقائد، عبادات اور اخلاقیات سبھی اقسام کی تعلیمات شامل ہیں۔ اسی طرح احسان بھی مختلف اقسام کی تعلیمات کا سابقہ ولاحقہ اور فقہی قوانین کا ایسا تتمہ بن کر سامنے آتا ہے کہ اس کے بغیر اسلامی شریعت نامکمل اور ادھوری نظر آتی ہے۔ مثلاً مشہور حدیث جبریل میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: مجھے اسلام کے متعلق بتلائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے ارکان بیان کئے۔ اس اجنبی نے پھر سوال کیا۔ مجھے ایمان کے متعلق بتلائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقائد بیان کئے۔ اس نے پھر کہا۔ مجھے بتلائیے کہ احسان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس طرح اللہ کی عبادت کر، گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہ دیکھے (یہ کیفیت پیدا نہ کر سکے) تو یقین رکھ کہ بلاشبہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے...... (ملخص) (۳)

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

اس حدیث کی تشریح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''معلوم ہونا چاہئے کہ دین اسلام کی بنیاد اور اس کا کمال تین چیزوں پر ہے۔ فقہ، علم عقائد اور علم تصوف وسلوک۔ اس حدیث میں یہ تینوں مقام بیان فرما دیئے۔ اسلام فقہ کی طرف اشارہ ہے۔ جس میں اعمال و احکام شرعیہ کا بیان ہوتا ہے۔ ایمان، اعتقادی مسائل اور اصولِ کلام کی طرف اور احسان تصوف وسلوک کی طرف اشارہ ہے۔ جو اللہ کی طرف سچی توجہ سے عبارت ہے۔ تصوف کے تمام معانی جن کی طرف مشائخ طریقت نے اشارات فرمائے، اس معنی کی طرف لوٹتے ہیں۔ لہٰذا تصوف اور علم عقائد و کلام ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک، دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا اور نہ وجود میں آ سکتا ہے اور تصوف، فقہ کے بغیر بھی معرضِ وجود میں نہیں آ سکتا۔ کیونکہ احکام کی شناخت فقہ کے بغیر نہیں ہوسکتی اور فقہ تصوف کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ سچی توجہ کے بغیر عمل مکمل نہیں ہوسکتا۔ پھر یہ دونوں ایمان کے بغیر صحیح اور درست نہیں۔ جیسے روح اور جسم ایک دوسرے کے بغیر وجود میں نہیں آسکتے اور نہ ان میں کمال پیدا ہوسکتا ہے۔'' (۴)

عقائد وعبادات سے نکل کر معاشرے کی طرف آئیں تو احسان کا خصوص تعلق عدل کے ساتھ بھی موجود ہے۔ قانون عدل اگرچہ ایک مؤثر اور وسیع نظام ہے۔ مگر جدل ونزاع کی دنیا میں ایسی منزلیں بھی آتی ہیں جہاں عدلیہ کا نظام یا قانونی ڈھانچہ اپنی بے بسی و بے حیثیتی کے بھنور میں پھنس جاتا ہے اور ساحل مراد کا متلاشی متبادل راہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ایسے موقعہ پر اخلاقیات واحسانیات کا نظام اس کی دست گیری کرتا ہے۔ اس طرح یہ دونوں نظام شانہ بشانہ چلتے ہوئے نوعِ انسانی کو حقیقی کامرانی وشادمانی عطا کرتے ہیں۔

دوسرے لفظوں میں ہم اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ جہاں نظام عدل کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے احسانی نظام کی ابتداء ہوتی ہے۔ کیونکہ انصاف تو ظاہریت کا پابند ہے اور مناسب حق ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جبکہ احسان، تمام اسباب، قول وفعل اور لہجے و رویے سے بھی مطمئن کرتا ہے۔

عدل اور احسان کی اس امتزاجی کیفیت و اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ اس طرح رقم طراز ہیں:

> دنیا میں امن و امان اور عدل و انصاف کے قیام اور فتنہ و فساد اور برائیوں کے انسداد کیلئے دو چیزیں ہیں۔ قانون اور اخلاق، اور گوان دونوں کا منشا ایک ہی ہے۔ مگر ان کے منزل مقصود تک پہنچنے کے راستے مختلف ہیں اور تنہا ان میں سے ہر ایک میں کچھ نہ کچھ کمی ہے۔ جس کی تلافی دوسرے سے ہوتی ہے۔ قانون برائیوں کو تو روک دیتا ہے مگر دل میں اس برائی کی طرف سے کراہت کا کوئی روحانی کیف پیدا نہیں کرتا۔ جو انسانیت کی جان ہے۔ اور اخلاق پر عمل کرنے پر ہر شخص کو بزور مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اس کے ذریعے عدل و انصاف کا قیام اور برائیوں کا استیصال کلیۃً نہیں ہو سکتا۔ توراۃ محض قانون اور انجیل محض اخلاق۔ اس لئے یہ دونوں الگ الگ امن و امان اور عدل و انصاف کے قیام اور فتنہ و فساد اور برائیوں کے انساد کیلئے پوری طرح کافی نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی شریعت لے کر آئے جو عدل و احسان اور قانون و اخلاق دونوں کو جامع ہے۔ (۵)

غالباً یہی حکمت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے عدل کے ساتھ احسان کا خصوصیت سے ذکر کیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

> "اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ" (۶)
>
> (اللہ تعالیٰ انصاف اور احسان کا حکم دیتا ہے)۔

یہاں ایک اشکال پیدا ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ ظاہر الفاظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح عدل کرنا فرض ہے اسی طرح احسان بھی فرض ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو اکٹھا ذکر کیا ہے۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ حکم کی نوعیت دونوں کیلئے یکساں نہیں۔ کیونکہ عدل کرنا فرض ہے جبکہ احسان مستحب ہے۔ جیسا کہ اس لفظ کی اصلیت و معنویت سے واضح ہوتا ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ بعض اوقات سیاق و سباق اور دیگر قرائن کی موجودگی میں احسان کا درجہ مستحب سے بڑھ کر واجب تک چلا جاتا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ایک فرد قارون تھا۔ قرآنی بیان کے

مطابق وہ اس قدر مال دار اور دولت مند تھا کہ اس کے خزانوں کی چابیاں ایک طاقتور جماعت اٹھاتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت اس کو حکم ہوا:

"واحسن کما احسن اللہ الیک" (۷)

(تو احسان کر، جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا اور زمین میں فساد نہ کر)

یعنی اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کر اور غرباء و فقراء کی مالی امداد کر۔ بقول مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ "احسان کے لفاظ سے حقوق واجبہ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔" (۸) اس جگہ احسان کے واجب ہونے کا قرینہ آیت کا اگلا حصہ ہے۔ جس میں وعید ہے کہ احسان نہ کرنا زمین میں فساد پیدا کرنے کی صورت ہے اور اللہ تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔ معلوم ہوا کہ احسان کی یہ قسم محض استحبابی نہیں بلکہ وجوبی ہے۔

شریعت اور احسان کے باہمی تعلق اور احسان کی شرعی حیثیت پر بحث کے بعد اب احسان کی مکمل تعریف امام رازی رحمہ اللہ کے الفاظ میں دیکھئے:

"ان العدل عبارہ عن القدر واجب من الخیرات. والاحسان عبارۃ عن الزیادۃ فی تلک الطاعات بحسب الکمیۃ وبحسب الکیفیۃ......"(۹)

(عدل کا مطلب ہے خیرات کی واجب مقدار ادا کر دی جائے۔ احسان کا مطلب ہے۔ ان طاعات پر کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے اضافہ کیا جائے اور اسباب ومحرکات کے اعتبار سے بھی زیادتی کی جائے۔ نیز عبودیت و ربوبیت کے مشہوری مقامات میں استغراق و انہاک ہو۔ یہ ہے احسان کی حقیقت)

امام رازی رحمہ اللہ کے پیش کردہ مذکورہ بالا تعریف خاصی جامع اور مختصر ہے مگر شاید کچھ قدر فلسفیانہ اور مشکل بھی۔ لہٰذا نسبتاً آسان اور سہل تعریف بھی ذکر کی جاتی ہے تاکہ احسان کا مفہوم پوری طرح واضح ہو جائے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"احسان کا لفظ حسن سے نکلا ہے، جس کے معنی کسی کام کو خوبی کے ساتھ کرنے کے ہیں۔ عمل کا ایک درجہ یہ ہے کہ آدمی کے سپرد جو خدمت ہوا سے

☆امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

بس کر دے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اسے خوبی کے ساتھ کرے۔ اپنی پوری قابلیت اور اپنے تمام وسائل اس میں صرف کر دے اور دل و جان سے اس کی تکمیل کی کوشش کرے۔ پہلا درجہ محض اطاعت کا ہے، جس کے لئے صرف تقویٰ اور خوف کافی ہے۔ دوسرا درجہ احسان کا ہے، جس کیلئے محبت اور گہرا قلبی لگاؤ درکار ہے۔(۱۰)

احسان کی اس توضیح وتشریح کے بعد اب چند مثالیں ملاحظہ ہوں کہ قرآن و حدیث نے کس طرح احسان کو فقہی احکام کے ساتھ مربوط کر کے دین اسلام کو ظاہری و باطنی اوصاف کا مرقع بنایا اور اس طرح مذہب کے حسن و جمال کو دوبالا کر کے معاشرتی تقاضوں کو بطریق احسن سرانجام دینے کا آخری ومکمل نظام پیش کیا ہے۔

## مثال نمبر ۱۔۲:

فقہی اعتبار سے پہلا درجہ عبادات کا ہے، جس میں سرفہرست نماز اور اس کے بعد زکوٰۃ ہے۔ نماز اور احسان کے باہمی تعلق کی بحث حدیث جبریل میں، جبکہ زکوٰۃ اور احسان کے تعلق کی بحث قارون کے قصے میں گزر چکی ہے۔ نیز اس کے حکم کا درجہ بھی وہاں بیان ہو چکا ہے۔

## مثال نمبر ۳:

حقوق اللہ کی ادائیگی کے بعد اگلا درجہ حقوق العباد کا ہے، جن میں سرفہرست والدین کے حقوق ہیں۔ شریعت اسلامیہ نے والدین کے ساتھ احسان اور ان کے حقوق کی ادائیگی پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا ہے اور ان کی نافرمانی کو گناہ کبیرہ قرار دیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَقَضٰی رَبُّکَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِیَّاہُ ط وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ط"(۱۱)

(اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا مظاہرہ کرو)۔

والدین کے ساتھ احسان کی خصوصی اہمیت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کو اپنی عبادت کے ساتھ متصلاً ذکر کیا ہے۔ اس مقام پر قضی بمعنی حکم ہے اور احسان کا یہ حکم وجوب کیلئے ہے۔(۱۲)

کسی سرزمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت وہاں چالیس روز نازل ہونے والی بارش کی برکت سے بہتر ہے

اس احسان کے بہت سے تقاضے ہیں، جن کو خود قرآن مجید نے اس جگہ ذکر کیا ہے۔ مثلاً ان کی عزت و احترام، اطاعت وفرمانبرداری، بڑھاپے میں خصوصی خیال۔ دھیما لہجہ اور نرم گفتگو، ان کے لئے عاجزی اور فروتنی اور بعد از وفات ان کیلئے دعائے مغفرت۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا یہ حکم محض مسلم والدین کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ اگر وہ کافر (ذمی) ہوں تو بھی وہ حسن سلوک کے مستحق ہیں۔(۱۳) ہاں اگر وہ خلافِ شریعت کام کا حکم دیں تو پھر ان کی اطاعت کی بجائے اللہ کی اطاعت مقدم اور ضروری ہے۔ مگر اس کے باوجود دیگر دنیوی معاملات میں ان کے ساتھ نیکی اور حسنِ معاشرت ہی کا حکم وارد ہے۔

## مثال نمبر۴:

"فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ" (۱۴)

احسان کی اس مثال کا تعلق معاملہ قتل کی ایسی صورت سے ہے جبکہ مقتول کے ورثاء قاتل سے قصاص لینے کی بجائے دیت کی وصولی پر صلح کرلیں۔ اس موقعہ پر قرآنِ مجید نے فریقین کو ان الفاظ سے ہدایت کی جس کا ترجمہ ہے بھلائی کے ساتھ پیروی کرو اور احسان کے ساتھ دیت ادا کرو۔

یعنی مقتول کے ورثاء مال کا مطالبہ کرنے میں بے جا سختی نہ کریں۔ اسی طرح قاتل بھی دیت کی ادائیگی میں بہانہ سازی، ٹال مٹول اور تاخیری حربے استعمال نہ کرے۔ اس مفہوم کی ادائیگی کے لئے قرآنِ مجید نے معروف اور احسان کے دو الفاظ کے ذریعے افراط وتفریط کی حد بندی کی اور مفاسد کا سدباب کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس کی مزید تشریح امام رازی کے الفاظ میں یہ ہے:

"فاما الاداء بالاحسان فالمراد به ان لا يدعي الاعدام في حال الامكان والا يؤخره مع الوجود......" (۱۵)

(احسان کے ساتھ ادائیگی سے مراد یہ ہے کہ وہ (دیت دینے والا یعنی قاتل) دے سکنے کے باوجود مفلس ہونے کا دعویٰ نہ کرے، رقم نقد موجود ہونے کے باوجود تاخیری حربے اختیار نہ کرے، غیر واجب اشیاء پیش نہ کرے اور اس مال کی ادائیگی خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے کرے۔ مفلس ہونے کی مزید تشریح یہ ہے کہ دنیا میں بہت سے دولت مند لوگ جب بدنیت اور مردہ ضمیر

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے۔ ☆

بن جاتے ہیں تو اپنے مفلس اور دیوالیہ ہونے کا انتظام مصنوعی طریقے سے کرتے ہیں۔ باقاعدہ سازش اور منصوبہ بندی سے عدالت کی طرف رجوع کر کے اپنے متعلق کنگال ہونے کا حکم نامہ جاری کروا لیتے ہیں۔ اس تمام کارروائی کا مقصد غیروں کی رقم ہڑپ کرنا اور قرض خواہوں سے جان چھڑوانا ہوتا ہے کہ نہ وہ رقم کا مطالبہ کریں اور نہ مال دینا پڑے۔

اس آیت کے متعلق دوسری بحث یہ ہے کہ اس میں دیا گیا حکم کس درجہ اور کس نوعیت کا ہے۔ کیا یہ حکم واجب ہے یا محض ترغیبی اور استحبابی؟ جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لئے ہم قرطبی کی طرف رخ کرتے ہیں تو وہاں یہ عبارت ملتی ہے:

"(فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ) فقراء ة الرفع تدل علی الوجوب واما المندوب الیه فتاتی منصوباً" (۱۶)

(اچھے طریقے سے پیروی کرو) پیش (رفع) کے ساتھ پڑھنے سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ استحباب کا حکم زبر (نصب) کے ذریعے ظاہر کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہاں فَاتِّبَاعٌ پر پیش ہے اور اداء پر بھی پیش ہے۔ اس لئے فقہی کلیہ کے مطابق یہ حکم واجب ہوگا۔

## مثال نمبر ۵:

"اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَان" (۱۷) یا اچھے طریقے سے چھوڑ دو۔

اس حکم کا تعلق انسانوں کی ازدواجی زندگی یعنی میاں بیوی کے معاملے سے ہے کہ اگر طبائع کی ناموافقت یا کسی اور وجہ سے ان کا باہمی نباہ نہ ہو پھر طلاق کے ذریعے علیحدگی اختیار کرنا چاہیں تو اس معاملہ کو بھی احسان یعنی اچھے طریقے سے سرانجام دیں۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"احسان سے مراد یہ ہے کہ جب مرد اس عورت کو چھوڑے تو اس کے مالی حقوق ادا کرے۔ علیحدگی کے بعد اسے برے الفاظ سے یاد نہ کرے۔ اور نہ ہی لوگوں کو اس سے متنفر کرے۔" (۱۸)

☆ قال الامام الشافعی رحمه الله تعالی : امن الناس علیّ فی الفقه محمد بن حسن ☆

اسکی مزید تشریح اس طرح کر سکتے ہیں کہ طلاق کے بعد بھی دو قسم کے حقوق باقی رہتے ہیں۔

نمبر ۱: مالی حقوق: اس سے مراد یہ ہے کہ عدت کے دوران عورت کو اپنے گھر سے نہ نکالے۔ کیونکہ مطلقہ عورت کی سکونت اور خوراک کا خرچ عدت کے اختتام تک شوہر کے ذمہ ہے۔

**نمبر ۲ قولی حقوق:** اس سے مراد یہ ہے کہ سابقہ بیوی کے متعلق غلط اور نازیبا قسم کے الفاظ استعمال نہ کرے۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ رشتہ دار اور احباب طلاق کی وجوہات پوچھتے ہیں تو ایسے وقت میں مرد اپنی ناک اونچی رکھنے اور خود کو بے قصور بنانے کیلئے طلاق کی تمام وجوہات اور الزامات عورت کے سر تھوپتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی عزت، کردار اور چال چلن کو بھی مشکوک قرار دے سکتا ہے۔ اس لئے شریعت نے روکا، کہ اس قسم کی نازیبا حرکات اختیار کرکے اور عورت پر طعن وطنز کرکے اس کے مستقبل کو تاریک نہ کرے اور نہ ہی لوگوں کو اس سے متنفر اور بیزار کرے۔ اس حسن سلوک اور اعلیٰ رویہ کے حکم کو کسی عدالت کے حکم سے نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کیلئے ترغیبی انداز اور حدود اللہ کی پاسداری کی تلقین کی گئی تاکہ حسن سلوک کے تقاضوں کو ممکن حد تک سرانجام دیا جا سکے۔ گویا جہاں عدالتی قانون کی عمل داری ختم ہوئی وہاں سے احسان کی کارفرمائی کا آغاز ہوا۔

## مثال نمبر ۶:

"فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً" (۱۹) پھر احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر۔

اس آیت میں لفظ مَــنًّــا بمعنی احسان ہے اور اس حکم کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ احسان کثیر الجہتی ہو۔ یعنی احسان کرنے کی متعدد صورتیں بن سکتی ہوں۔ تو ایسی حالت میں اس شخص یا حاکم کو صوابدیدی اختیار کے طور پر کہا جائے گا کہ ان میں سے کوئی ایک صورت اختیار کرلو۔ مثلاً ایک حکمران دشمن کے خلاف میدانِ جنگ میں نکلتا ہے اور فتح وکامرانی سے ہمکنار ہوکر دشمن کے افراد کو قیدی بنالیتا ہے، تو اب قرآنِ مجید اسے اختیار دیتا ہے کہ دشمن کے قیدیوں پر احسان کرتے ہوئے انہیں آزاد کردو یا فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو۔ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی اپنی تفسیر میں اس کی مزید وضاحت یوں کرتے ہیں:

> "پھر احسان میں چار چیزیں شامل ہیں۔ ایک یہ کہ قید کی حالت میں ان سے اچھا سلوک کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ قتل یا دائمی قید کی بجائے ان کو غلام بنا کر افرادِ مسلمین کے حوالے کردیا جائے۔ تیسرے یہ کہ جزیہ لگا کر ان کو

ذمی بنالیا جائے۔ چوتھے یہ کہ ان کو بلا معاوضہ رہا کر دیا جائے۔(۲۰)

بہر حال اس مندرجہ بالا آیت میں احسان کا حکم خالصتاً استحباب پر مبنی ہے۔ جیسا کہ اصول فقہ کا کلیہ پہلے گزر چکا ہے کہ اگر مصدر مرفوع ہو تو اس سے ثابت شدہ حکم وجوب پر مشتمل ہوتا ہے اور اگر وہ مصدر منصوب ہو تو ثابت شدہ حکم استحباب کا درجہ رکھتا ہے۔(۲۱) مندرجہ بالا آیت میں دونوں مصدر منصوب ہیں، لہٰذا حکم بھی مستحب ہوگا۔

## مثال نمبر ۷:

"ان اللہ کتب الاحسان علی کلی شیء......" (۲۲)

بے شک اللہ نے ہر چیز پر احسان کرنا لازم کیا ہے)۔

جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے۔ یہ حدیث اپنے مفہوم ومصداق میں نہایت وسعت کی حامل اور ہمہ گیر قسم کی ہے۔ اسلام سے قبل عرب میں امن کی حالت میں تو نیکی اور بھلائی کا عنصر کہیں کہیں نظر آ تا تھا۔مگر حالت جنگ کی تباہ کاریاں اور بربادیاں نا قابل بیان ہوتیں۔ مثلاً عورتوں اور بچوں کا قتل دشمن کی لاشوں کا مثلہ کرنا، مکانوں اور کھیتوں کو اجاڑنا وغیرہ۔ یہی صورت حال جانوروں کے متعلق تھی۔ یعنی زندہ جانور کے جسم سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ لینا،نشانہ بازی کے لئے باندھنا وغیرہ۔

مندرجہ بالا حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عمومی اور کلی حکم کے طور پر ان تمام زیادتیوں کا سدباب کرنے کے لئے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض ٹھہرایا ہے۔ لہٰذا جب تم (میدان جنگ میں) قتل وقتال کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو (مثلہ وغیرہ نہ کرو) جب تم جانور کو ذبح کرنے لگو تو اچھے طریقے سے کرو۔ تم میں سے ہر ایک اپنی چھری کی دھار تیز کرے۔ اس طرح اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے۔ (۲۲) (زیادہ تکلیف نہ دے) بلکہ اسلامی شریعت میں استحبابی حکم کے طور پر یہاں تک تاکید کی گئی ہے کہ چھری کو جانور کے سامنے تیز نہ کرے۔ ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح نہ کرے تا کہ اس پر خوف زدگی کی کیفیت طاری نہ ہو۔

مذکورہ بالا مثالوں کا تعلق انسانی زندگی کے ان مختلف گوشوں سے تھا جہاں احسان اور شریعت کے درمیان باہمی آہنگی تھی۔ اس موافقت کے ذریعے معاشرتی مسائل کو سلجھا کر زندگی کو پرسکون بنانے کی کوشش کی گئی۔ اب ایک ایسی مثال ملاحظہ کریں جہاں اللہ تعالیٰ نے شریعت کی بجائے محض احسان کا راستہ اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔

☆ اترکوا قولی بخبر الرسول ﷺ ☆ حدیث شریف کے مقابل میرے قول کو چھوڑ دو (ابوحنیفہ) ☆

## مثال نمبر ۸:

**"ولا یأتل اولو الفضل منکم والسعة...... الخ" (۲۲)**

(تم میں سے بزرگی اور وسعت والے اس بات کی قسم نہ کھائیں)۔

اس مثال کا تعلق واقعہ افک سے ہے جو کہ ۵ھ یا ۶ھ میں غزوہ بنی مصطلق سے واپسی کے موقعہ پر پیش آیا۔ منافقین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا۔ اس موقعہ پر بعض سیدھے سادھے مسلمان بھی منافقین کی ان باتوں میں آ گئے۔ جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار حضرت مسطح بھی تھے۔ صدیقی غیرت اپنی بیٹی کی اس توہین کو برداشت نہ کر سکی اور غصے میں آ کر حضرت مسطح کی مالی امداد بند کرنے کی قسم اٹھالی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممانعت کا حکم نازل ہوا کہ اس طرح کی قسم کھانے کی بجائے عفو و درگزر کا راستہ اختیار کریں۔ جواباً آپ نے نہ صرف احسان کا سلسلہ جاری کر دیا بلکہ اس میں اضافہ بھی کر دیا۔ اس آیت میں فضل سے مراد احسان ہے یعنی فضل احسان کا مترادف ہے۔ (۲۴)

یاد رہے کہ عام حالات میں قسم کو نبھانا اور پورا کرنا ضروری ہے۔ جبکہ توڑنا منع ہے اور قسم توڑنے کی صورت میں کفارہ لازم آتا ہے۔ تاہم یہ بھی حکم ہے کہ اگر قسم توڑنے میں خیر اور بھلائی ہو تو ایسی قسم کو توڑ دینا چاہیے۔

احسان اور شریعت کی اس بحث کا خلاصہ یہ ہے شریعت یعنی احکام وقوانین کا مجموعہ ایک خشک اور بے کیف نظام ہوتا ہے۔ جس میں ظاہر الفاظ پر عمل ہوتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات فریق مخالف کی مکاری اور عیاری کی وجہ سے مستحق شخص محروم ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں انتقام کا جذبہ پرورش پاتا ہے اور معاملہ پہلے سے بھی سنگین ہو جاتا ہے۔ ظاہر پرستی کے اس عیب کا ازالہ کرنے کیلئے اسلام نے جگہ جگہ احسان کا ذکر کیا تا کہ اس کے ذریعہ انسانی ضمیر پر دستک دے کر طرفین کے منفی جذبات کو سرد کیا جائے۔ چنانچہ قرآنِ مجید نے احکام وقوانین بیان کرتے وقت عموماً اس قسم کے الفاظ یا تو مستقلاً بیان کئے یا خدائی صفات کے طور پر بیان کئے تا کہ اللہ کے بندے اپنے خالق کی ان صفات کا عکس اپنی ذات میں پیدا کریں۔ دین کے ظاہر اور باطن یعنی جسد اور روح دونوں کی پاسبانی کریں اور یقین رکھیں کہ شریعت کی حقیقی تعمیل کا راز احسان اور دیگر اخلاقی صفات اپنانے میں ہی مضمر ہے۔

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں: فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

## بحث دوم: احسان اور صوابدیدی اختیار

احسان کی سابقہ تفصیل میں بحث کا انداز یہ تھا کہ قرآنِ مجید اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کو کسی شرعی حکم کا ضمیمہ یا تتمہ بنایا۔ اس طرح وہ مجموعی حکم شریعت اور اخلاق کا حسین امتزاج بن گیا۔ احسان کی اس دوسری بحث کا تعلق امورِ سیاسیہ سے ہے، جس میں کسی منتظم یا حکمران کو صوابدیدی اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی فہم و فراست کی بنیاد پر فیصلہ کرے کہ اس موقعہ پر احسان کا معاملہ اختیار کرنا قوم و ملک کے مفاد میں ہے یا نہیں۔ اس جہت کی تشریح کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے بہت سی مثالیں ہمارے سامنے آتی ہیں، جو ہمارے لئے مشعل راہ ہیں اور انہی کی بنیاد پر ہم یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ وہ کونسے مقامات ہیں جہاں احسان کرنا چاہئے اور وہ کون سے مواقع ہیں جہاں احسان کرنا نیکی نہیں، بلکہ ظلم ہے۔

### مثال نمبر ۱: احسان بصورت جان بخشی:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ نجد کے علاقے کی طرف روانہ کیا۔ اس نے اہل یمامہ کے سردار ثمامہ بن اثال حنفی کو پکڑا اور مدینہ لا کر مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے نکلے اور اس کی رائے پوچھی۔ اس نے جواب دیا۔ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو خون والے کو قتل کریں گے اور اگر احسان کریں گے تو قدردان پر احسان ہوگا۔ اگر مال چاہتے ہیں تو وہ مل جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی سوال و جواب ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی رہائی کا حکم دے دیا۔ تب ثمامہ ایک قریبی نخلستان میں گیا۔ غسل کیا اور واپس آ کر اسلام قبول کر لیا۔ پھر کہا کل تک آپ کا چہرہ اور آپ کا دین مجھے سخت ناپسند تھا مگر آج آپ کا چہرہ، آپ کا دین اور آپ کا شہر مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔ ثمامہ عمرے کے ارادے سے نکلا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرے کی اجازت چاہی جو اسے مل گئی۔ اہل مکہ نے اسے بے دین ہونے کا طعنہ دیا۔ مگر اس نے کہا میں مسلمان ہوا ہوں۔ نیز یمامہ کے علاقے سے تمہارے ہاں غلے کا ایک دانہ نہ آئے گا۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت دیں۔ پھر غلہ بند کر دیا۔ حتیٰ کہ اہل مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کروا کر غلہ کی ترسیل بحال کروائی۔ (۲۵)

اس واقعہ میں احسان کی دو مثالیں پنہاں ہیں۔ ایک تو ثمامہ کی جان بخشی اور دوسری اہل مکہ کیلئے غلہ کی سپلائی۔ ان دونوں مثالوں سے واضح ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کے ساتھ جان اور مال دونوں اعتبار سے احسان کا سلوک کرتے تھے۔

## مثال نمبر ۲: جنگی قیدی پر احسان اور عہد شکنی کی سزا:

جنگ بدر کے قیدیوں میں سے عبداللہ بن عمرو بن عبد! کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امان دے دی تھی۔ یہ شخص شاعر تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ میری پانچ بیٹیاں ہیں، لہٰذا سیف مجھ پر احسان کریں۔ ساتھ ہی اس نے پختہ عہد کیا کہ آئندہ وہ نہ جنگ کرے گا نہ اہل مکہ کی مدد کرے گا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا۔ جنگ احد کے موقع پر صفوان بن امیہ نے اسے کہا۔ ہمارے ساتھ چل۔ تو اس نے کہا: میں نے جنگ نہ کرنے کا عہد کیا ہوا ہے۔ صفوان نے اسے ضمانت دی کہ اگر وہ قتل ہوگیا تو میں اس کی بچیوں کی کفالت کروں گا اور اگر زندہ رہا تو کثیر مال دوں گا۔ چنانچہ یہ شخص ساتھ نکلا اور یہ واحد شخص تھا جسے مسلمانوں نے جنگ احد میں گرفتار کیا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی قیدی ہاتھ نہ آیا تھا۔ اب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میں تو مجبوراً نکلا تھا۔ میری بیٹیاں ہیں، ان کی وجہ سے مجھ پر احسان کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا وہ عہد کہاں گیا؟ اب تو مکہ نہیں جاسکے گا کہ وہاں جا کر کہے میں نے محمد کے ساتھ دو مرتبہ مذاق کیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔ اے عاصم اٹھو اور اسے قتل کردو۔ چنانچہ اس کی گردن اڑا دی گئی۔ (۲۶)

اس مثال سے پھر وہی بات معلوم ہوئی کہ غیر مسلم قیدی بھی بنیادی طور پر احسان کا مستحق گردانا گیا اور اس کی جاں بخشی کر دی گئی۔ مگر دوسری مرتبہ جب یہی صورت پیدا ہوئی تو اس کی عہد شکنی اور بے اعتمادی نے اس کو احسان کے قابل نہ چھوڑا اور اس کو قتل کر دیا گیا۔

## مثال نمبر ۳: احسان کا بدلہ بذریعہ احسان در احسان:

جنگ احزاب کے موقعہ پر یہودیوں کی عہد شکنی کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قبیلے بنو قریظہ کے خلاف کارروائی کی اور مسلمانوں نے تمام یہودیوں کو گرفتار کرلیا۔ پھر ان کے قتل

علم وفن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں : (محدث ابوزرعہ)

کا فیصلہ بھی ہوگیا۔ اس موقع پر ایک صحابی حضرت ثابت بن قیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا۔ زبیر نامی یہودی مجھے عطا کردیں۔ تاکہ میں اس کے احسان کا بدلہ ادا کردوں جو جنگ بعاث کے وقت اس نے مجھ پر کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عطا کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاکر زبیر یہودی کو خبر دی اور اسکی زنجیر اتاری۔ اس نے کہا میرا کوئی قائد (سنبھالنے والا) نہیں۔ تم نے میرے بیٹے اور عورت کو پکڑ لیا ہے۔ ثابت بن قیس پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اس یہودی کے بیٹے اور بیوی کی جاں بخشی کروائی۔ اب زبیر نے کہا میرا باغ تھا۔ اس کے بغیر میرا گزارہ نہیں ہوسکتا۔ ثابت نے جاکر یہ رعایت بھی حاصل کرلی اور آکر اطلاع دی۔ نیز اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کہا میرے دیگر ساتھیوں کا کیا بنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا وہ تو قتل ہوگئے۔ اس یہودی نے کہا۔ ان کے قتل کے بعد اب زندگی میں کوئی دلچسپی نہیں۔ لہٰذا مجھے قتل کردو۔ چنانچہ اسے قتل کردیا گیا۔ (۲۷)

اس مثال سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت کی سفارش پر عہد شکن قوم کے فرد پر نہ صرف عمومی احسان کیا بلکہ احسان کو تین گناہ کرکے واپس کیا۔ یہ اسلام کی تعلیم اور قرآن کا پیغام تھا کہ احسان کا بدلہ احسان ہی سے ہونا چاہئے۔ (۲۸) اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معاشرتی اور سیاسی زندگی میں احسانات کے بھرپور مظاہرے کئے۔ متعدد مواقع پر فریق ثانی نے ناقدری اور عہد شکنی کی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی دھوکہ دہی کے ان واقعات کی بنیاد پر آئندہ عدم احسان کا عہد نہیں کیا۔ بلکہ حسب معمول آپ صلی اللہ علیہ وسلم احسانات کے ابر کرم برساتے رہے اور پیاسوں کی پیاس بجھاتے رہے۔

## مثال نمبر ۴: اجتماعی احسان:

۸ھ میں حنین واوطاس کے غزوات پیش آئے۔ بنو ہوازن کا قبیلہ شکست کھا کر فرار ہوگیا۔ ان کے تمام اہل وعیال قیدی بنا لئے گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مال غنیمت کے طور پر اپنے اصحاب میں تقسیم کردیا۔ طائف سے واپسی پر بنو ہوازن کے یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض گزار ہوئے کہ ہم پر احسان کریں اور ہمارے اہل وعیال ہمیں واپس کردیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہارا کافی انتظار کیا۔ مگر تم نہ آئے تو میں نے ان

☆ اترکوا قولی بخبر الرسول ﷺ ☆ حدیث شریف کے مقابل میرے قول کو چھوڑ دو (ابو حنیفہ) ☆

کومجاہدین میں تقسیم کر دیا۔اب میں اپنا اور بنو عبدالمطلب کا حق تمہارے لئے چھوڑتا ہوں اور تمہارے دیگر افراد کے لئے سفارش کردوں گا۔ چنانچہ آپ کی سفارش پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بنو ہوازن کے دیگر افراد بھی بلامعاوضہ آزاد کر دیئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ آئے تو مؤلفتہ القلوب کی بنیاد پر جدید الاسلام افراد مثلاً حضرت ابوسفیان، حضرت معاویہ وغیرہ کو فی کس سو سو اونٹ بطور عطیہ دیئے۔(۲۹) آپ کا یہ اسوہ اس قرآنی آیت کی عملی تفسیر تھی۔

"ان اللہ یحب المحسنین ○"

(بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے)۔

آپ کے یہ گراں قدر انعامات و احسانات بظاہر اخلاقیات کا حصہ ہیں اور یقیناً ہیں۔مگر دوسری طرف حکمران کے صوابدیدی اختیارات کے مظاہر بھی ہیں کہ اموال کی تقسیم اور قتل و قصاص کے معاملات میں کچھ وسعتیں ہیں۔احسان کی اس جہت میں غور کرنے سے اس کا تشریحی پہلو سامنے آتا ہے۔تاہم احسان کا یہ صوابدیدی اختیار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح عام حکمرانوں کے لئے غیر مشروط طور پر نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ قواعد وضوابط کی حد بندیوں میں رکھنا ضروری ہے تاکہ کوئی حکمران صوابدیدی اختیار کی آڑ میں اقرباء نوازی کا سلسلہ شروع نہ کر دے اور اس طرح بدعنوانی کو قانونی شکل دے کر من مانی کارروائیوں کا سلسلہ نہ چل نکلے۔

# حوالہ جات و مراجع


۱۔ سورۃ المؤمنون:۱۴۔

۲۔ سورۃ والتین:۴۔

۳۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان، فصل اول۔

۴۔ شیخ عبدالحق، اشعۃ اللمعات، مطبع فرید بک اسٹال، اردو بازار، لاہور، ج۱،ص ۲۰۵۔

۵۔ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور، ۶:۱۰۲۔

۶۔ سورۃ النحل:۹۰۔

۷۔ سورۃ القصص:۷۷۔


کیا آپ کو معلوم ہے کہ: ☆ قانونِ شریعت ہی کا دوسرا نام فقہِ اسلامی ہے ☆

۸۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، زیر آیت مذکورہ بالا۔

۹۔ رازی، فخر الدین، تفسیر کبیر، مطبع دار الحدیث، بوہر گیٹ ملتان، زیر آیت سورۃ النحل: ۹۰، ج ۷: ۲۶۱

۱۰۔ مودودی، ابو الاعلیٰ تفہیم القرآن، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱: ۱۵۳، زیر آیت سورۃ البقرۃ: ۱۹۵۔

۱۱۔ سورۃ بنی اسرائیل: ۲۳۔

۱۲۔ القرطبی، ابو عبداللہ، الجامع لاحکام القرآن، زیر آیت مندرجہ بالا۔

۱۳۔ ایضاً۔

۱۴۔ سورۃ البقرۃ: ۱۷۸۔

۱۵۔ رازی، فخر الدین، تفسیر کبیر، زیر آیت مندرجہ بالا۔

۱۶۔ القرطبی، ابو عبداللہ، الجامع لاحکام القرآن، زیر آیت سورۃ البقرۃ: ۱۷۸۔

۱۷۔ سورۃ البقرۃ: ۲۲۹۔

۱۸۔ تفسیر کبیر، زیر آیت مندرجہ بالا۔

۱۹۔ سورہ محمد: ۴۔

۲۰۔ تفہیم القرآن، زیر آیت مندرجہ بالا۔

۲۱۔ القرطبی، ابو عبداللہ، الجامع لاحکام القرآن، زیر آیت سورۃ البقرۃ: ۱۷۸۔

۲۲۔ مسلم شریف، کتاب الصید، باب الامر باحسان الذبح۔

۲۳۔ سورۃ النور: ۲۲۔

۲۴۔ سیرت النبی باب الاحسان، ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور، ۶: ۴۶۱۔

۲۵۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ادارہ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوڑ گیٹ ملتان، کتاب السیر، ۹: ۶۹۔

۲۶۔ ایضاً ۹: ۶۵۔

۲۷۔ ایضاً ۹: ۶۶۔

۲۸۔ سورۃ الرحمٰن: ۶۰۔

۲۹۔ عبدالمالک بن ہشام، سیرت ابن ہشام، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۲: ۵۸۸ تا ۵۹۵۔

۳۰۔ سورۃ البقرۃ: ۱۹۵۔


☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی) ☆